جناب مولانا ارشاد الحق صاحب قسط نمبر ۹

احسن الکلام

الغرض مولانا صفدر صاحب کا یہ فرمانا کہ "ثقہ کی زیادتی بالاتفاق مقبول ہے" بوجوہ صحیح نہیں اولاً اس پر "اتفاق" کا دعوی سراسر غلط اور باطل ہے۔ ثانیاً رفع و ارسال کی صورت میں فیصلہ قرائن و دلائل پر موقوف ہوگا۔ صرف "ثقہ کی زیادتی" کوئی مستقل اصول نہیں۔ ان مختصر گذارشات کو سامنے رکھتے ہوئے اب اسحاق کے تفرد پر غور فرمائیں جبکہ اولاً تمام محدثین نے صراحت کی ہے کہ یہ روایت بجز امام ابوحنیفہ کے کسی نے مرفوع ذکر نہیں کی۔ سفیان اور شعبہ سے بھی یہ روایت مرسل ہی مروی ہے۔ پھر مسند احمد بن منیع محدثین کے نزدیک متداول کتاب تھی۔ جیسا کہ مولانا صفدر صاحب نے (ص ۲۶۲ پر) اعتراف کیا ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ مرفوع روایت ان کی نظر سے کیسے مخفی رہی؟ اور انہوں نے اسے معرض استدلال میں پیش کیوں نہ کیا؟

ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

ثانیاً اگر مسند ابن منیع کا یہ نسخہ ثابت ہے تو اسے متصل بیان کرنے میں اسحاق منفرد ہے۔ دوسرے تمام ساتھی اسے مرسل بیان کرتے ہیں۔ بنا بریں یہ زیادتی شاذ اور باطل ہے اور "زیادتی ثقہ کے مقبول" ہونے کا اصول محل نظر ہے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے تفرد کا مسئلہ بھی اس صورت میں واضح ہو جاتا ہے۔ بالخصوص جب کہ محدثین نے ان کے حافظہ کی کمزوری اور کثرت خطاء و غلط کی بنا پر جرح کی ہے (جس کی تفصیل اپنے محل پر آرہی ہے) اس لئے ان کے تفرد پر اعتماد تو کسی صورت صحیح نہیں اور اس بنا پر محدثین نے ان کی روایت پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اس کا مرسل ہونا ہی صحیح بتلایا ہے۔

اس کے بعد مولانا صاحب فرماتے ہیں :

"امام ابن مبارک چونکہ اس کو مرسل بیان کرتے ہیں اور دوسرے اس کو مرفوع بیان کرتے ہیں، اس لئے قاعدہ کے مطابق مرفوع اور متصل ہی کو ترجیح ہے نہ کہ اس کے مرسل ہونے کو، علاوہ ازیں امام ابن مبارک کا بیان ہے کہ جب امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کسی بات پر متفق ہو جائیں تو میرا قول بھی وہی ہے" (ص ۲۶۰)

حالانکہ بحث امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ پر نہیں کہ ان میں کون مرفوع اور کون موقوف بیان بیان کرتا ہے . . . بلکہ بحث ابوحنیفہؒ پر ہے کہ وہ منفرد ہیں اور محدثین، امام دارقطنی بیہقی ابن عبدالبر، ابن عدی وغیرہ ان کے "تفرد" پر اعتماد نہیں کرتے جس کی وجہ ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں۔ اور اسی سے اس قاعدہ کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے جسے مولانا صاحب نے "اتفاق" کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔ کیا امام بخاری، ابن مہدی، یحییٰ بن سعید القطان، احمد، ترمذی، دارقطنی، بیہقی، ابن عدی، ابن عبدالبر، ابن سید الناس، ابن دقیق العید وغیرہ محدثین کا اختلاف کوئی معنیٰ نہیں رکھتا اور کیا اس سے اس "اتفاق" کے "خانہ ساز" ہونے میں بھی شبہ رہ جاتا ہے ؟

بات اسی پر موقوف نہیں، مولانا نے یہاں بھی اپنے اجتہاد کے خوب جوہر بکھیرے ہیں۔ اور وہ یہ کہ ہو نہ ہو کسی نہ کسی طرح ابن مبارک سے بھی اس روایت کا مرفوع ہونا ثابت کر دیا جائے چنانچہ اس کے لئے تبییض الصحیفہ سے ایک قول بڑی محنت سے ڈھونڈا اور ثابت کر دکھایا کہ جب سفیانؒ اور ابوحنیفہؒ اسے مرفوع بیان کرتے ہیں —— جس کی حقیقت آپ پہلے پڑھ آئے ہیں —— تو ابن مبارک کے نزدیک بھی یہ روایت گویا مرفوع ہی قرار پائی، جبکہ ان سے منقول ہے کہ "ابوحنیفہ اور سفیان جس بات پر متفق ہیں، وہی میرا قول ہے" "سبحان اللہ" اجتہادِ جدید کی کرشمہ سازی ہے جس پر وہ بجا طور پر "تحسین" کے مستحق ہیں۔

"تبییض الصحیفہ" اس وقت ہمارے سامنے نہیں اس لئے اس کی سند پر بحث ہم کسی اور وقت پر اٹھا رکھتے ہیں۔ البتہ ذرا اس بات کی طرف توجہ دیں کہ وہ کتنے مسائل ہیں جن میں امام ابوحنیفہؒ اور امام ثوری متفق ہیں۔ بایں ہمہ امام عبداللہ بن مبارک نے ان کی مخالفت کی ہے۔ مثلاً آپ مسئلہ رفع الیدین، فاتحہ خلف الامام، مضمضہ اور استنشاق، الوضو بالنبیذ ہی کو دیکھ لیجئے، اس میں سفیان ثوریؒ اور ابوحنیفہؒ متفق ہیں، لیکن ابن مبارک نے ان سے اختلاف

کیا ہے۔ یہی نہیں تتبع تلاش سے اس قسم کے متعدد مسائل ملیں گے جن میں ابن مبارکؒ نے ان دونوں حضرات کی مخالفت کی ہے۔ تو کیا ان مسائل میں آنکھیں بند کرکے ابن مبارکؒ کو ان کا ہمنوا تسلیم کر لیا جائے ؟

ناظرین کرام ! اندازہ فرمائیے، کس ہوشیاری سے مولانا صفدر صاحب اپنا الو سیدھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بالکل یہی انداز انہوں نے اس کے بعد کی عبارت میں اختیار کیا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں :

"امام حاکم، علامہ شمس الدین ابن قدامہ، علامہ ماردینی، حافظ ابن ہمام، ملّا علی القاری اور علامہ آلوسی وغیرہ اس روایت کو مرفوع ہی نقل کرتے ہیں اور یہ ثبت بھی ہیں اور عارف بھی اور مبارک پوری صاحب لکھتے ہیں" فقول ھؤلاء العارفین مقدام علی من لم یعرف" (الخزص ۲۶۱)

لیکن حضور کس روایت کو ؟ سفیان یا شعبہ کی یا کوئی اور ؟ ہم دعوٰی سے کہتے ہیں کہ امام حاکم علامہ ابن قدامہ، علامہ ماردینی نے اس "روایت" کو قطعاً مرفوع نقل نہیں کیا۔ معلوم نہیں کہ مولانا خلط مبحث کس حکمت کی بنا پر کر رہے ہیں ؟ ان بزرگوں نے "ابو الزبیر" کے واسطہ کی روایت کو مرفوع ذکر کیا ہے لیکن وہ بوجوہ معلول ہے۔ اسی طرح علامہ ابن ہمام وغیرہ کا سفیان و شعبہ کے واسطہ سے اسے متصل نقل کرنا بھی صحیح نہیں جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ لہٰذا جب انکا "دعوٰی اثبات" ہی محل نظر ہے تو اس سے استدلال کیسے درست ہے ؟ نیز مقام غور ہے کہ یہ حضرات "ثبت" اور "عارف" کن معنوں میں ہیں۔ یہ ناقل ہیں، راوی حدیث ہیں یا ائمۂ جرح و تعدیل میں ان کا شمار ہوتا ہے ؟ آخر اس گتھی کو سلجھائے بغیر بیان کرنا کہاں تک اہل علم کی شان کے مطابق ہے۔ مولانا مبارک پوری کا غیر مکمل کلام سیاق و سباق کے خلاف نقل کرکے اس سے استدلال پر ہم جتنا تعجب کریں، کم ہے۔ ناظرین کرام متنبہ رہیں کہ مولانا مبارک پوری صاحب کا محولہ بالا کلام میں مقصد یہ ہے کہ نافع بن محمود کو اگرچہ بعض نے مشہور یا مجہول کہا ہے۔ لیکن امام دارقطنی، امام بیہقی نے اس کی روایت کو حسن و صحیح کہا ہے اور اس کے تمام راویوں کی توثیق کی ہے۔ علاوہ ازیں امام ابن حبان اور حافظ ذہبی نے بھی اسے ثقہ کہا ہے، امام ابو داؤد اور امام منذری نے اسکی روایت پر سکوت کیا ہے۔ اور محقق نیموی ؒ نے اعتراف کیا ہے کہ جس روایت پر یہ دونوں حضرات

. . . سکوت اختیار کریں وہ روایت صالح ہوتی ہے۔ بنا بریں ان ائمہ معتدلین کا قول ان کے اس قول سے مقدم قرار دیا جائے کہ نافع مستور ہے یا مجہول ہے۔ کیونکہ عارف کا قول غیر عارف کے قول سے مقدم ہوتا ہے۔ مولانا کے اصل الفاظ درج ذیل ہیں:

"فقول هؤلاء الموثقين مقدم على قوم من قال انه مجهول اوقال انه مستور فان قول العارفين يقدم على قول من لم يعرف" (ابکار المنن)

ناظرین کرام! اندازہ فرمائیں، مولانا صفدر صاحب نے "ابکار المنن" سے غیر مکمل عبارت نقل کرکے مقتدی حضرات کو کس طرح الجھانے کی کوشش کی ہے۔ مولانا مبارک پوری کا مقصد نافع کے سلسلہ میں ائمہ معدلین کے قول کو ترجیح دینا ہے جب کہ وہ ان سے "عارف" اور "ثبت" ہیں جنہوں نے اسکے متعلق عدم علم کا اظہار کیا ہے۔ لیکن مولانا صفدر صاحب نے اولاً ان کی مکمل عبارت نقل کرنے سے اجتناب کیا ہے تاکہ حقیقتِ حال کی پردہ پوشی ہوسکے۔ ثانیاً ان کے کلام کو غلط پیرائے میں بیان کرکے خواہشاتِ نفس کی تسکین کا سامان تیار کیا ہے۔

ہماری ان گذارشات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مسند احمد بن منیع میں جابرؓ کا واسطہ قطعاً مذکور نہیں۔ بلکہ یہ کاتب کا وہم ہے۔ تمام محدثین نے صراحت کی ہے کہ سفیان و شعبہ نے یہ روایت مرسل ذکر کی ہے۔ علامہ ابن ہمام سے قبل تمام محدثین اور "مسلّم ثقات" نے اس متابعت کا کہیں ذکر نہیں کیا بالخصوص جب کہ "مسند ابن منیع متداول کتاب تھی" (احسن الکلام ص ۲۹۲) . . . اگر یہ متابعت تسلیم بھی کر لی جائے تو یہ طریق شاذ اور ناقابلِ استدلال ہے۔ اور مولانا صفدر صاحب نے اسکے اثبات کے لئے جن "اختراعی" باتوں کا سہارا لیا ہے، اس کی حقیقت آپ پڑھ چکے ہیں۔ لہٰذا جب "دعویٰ" اور "دلیل" دونوں مخدوش ہیں تو پھر اس پر اعتماد کے کیا معنی؟

دوسری اور تیسری شق پر اعتراض کا جواب

مولانا صاحب لکھتے ہیں:

"جمہور اہل اسلام کے پاس قرآن کریم کی آیت مع حدیث "انصتوا" موجود تھی لہٰذا اگر طحاوی وغیرہ نے یہ روایت اپنے استدلال میں پیش نہیں کی تو کیا بغیر اس روایت کے ان کی ضرورت اور حاجت پوری نہیں ہوسکتی تھی؟ الخ" (ص ۲۹۱)

ان تمام باتوں کا معقول جواب حضرت الاستاذ مدظلہ العالی نے "خیر الکلام ص ۲۷۵

۴۷۶ میں دیا ہے جس کے جواب میں مولانا صفدر صاحب نے خاموشی اختیار کرتے ہوئے گویا عاجزی کا اظہار کیا ہے۔ اس لئے ہم بھی مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتے اور حضرت الشیخ کے جوابات پر ہی اکتفاء کرتے ہیں "وصل وارسال" کی صورت میں حکم کس پر ہوگا، اس کی حقیقت بھی ہم بیان کر چکے ہیں جس کا اعادہ طوالت کا موجب ہوگا۔

رہا ان کا یہ "فرمان" کہ "اگر مسند احمد بن منیع ہیں، جو محدثین کے نزدیک متداول کتاب تھی، کاتب نے جابر کے الفاظ زیادہ کر دیئے تھے تو نہ معلوم بخاری، مسلم، نسائی، ابوداؤد اور دیگر کتب میں انہوں نے کیا شگوفے کھلائے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے حذف واضافہ اور قطع و برید کر کے اصل مضمون کو کیا سے کیا کر دیا ہوگا، پھر حدیث کی کتابوں پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟" (ص ۲۶۲)

اس اعتراض کا جواب بھی حضرت الاستاذ متعنا اللہ بطول حیاتہ نے خیر الکلام کے ص ۴۷۷ میں دیا ہے لیکن مولانا صفدر صاحب اس کے جواب میں بھی عاجز رہے ہیں۔ ہم مولانا صاحب کی تلخی اور ترشی سے واقف ہیں اور حضرت بیشتر اوقات اسی کے ہاتھوں مجبور ہو کر حقائق کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ بھلا یہ بات ان کی نظر سے کیونکر مخفی ہے کہ کتب احادیث میں "حذف و اضافہ" کا پایا جانا محال نہیں اور نہ ہی اس سبب سے کسی نے کتب احادیث پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ کسی نے اگر حدیث کا انکار کیا تو اس کا سبب کچھ اور ہے اور اگر بار خاطر نہ محسوس فرمائیں تو حضرت عرض ہے کہ اس کی راہ آپ نے ہموار کی۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ حضرات اپنی عقل کے پرستار ہیں اور آپ نے اس سلسلہ میں کسی دوسرے کی اعتماد کا اظہار کیا ہے ؏

کبھی فرصت میں سن لینا بڑی ہے داستاں میری

کیا کتب حدیث میں "حذف اضافہ" واقع نہیں ہوا؟ تو اس سلسلہ میں حضرت الاستاذ نے بھی بعض مقامات کی نشان دہی کی ہے۔ ایک منصف مزاج اور تحقیق پسند صاحب کے لئے تو وہی مثالیں کافی ہیں تاہم ایک دو کا ذکر فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ چنانچہ جامع ترمذی کے باب "ما یقول الرجل بعد الوضوء" کے تحت حضرت عمرؓ کی روایت بواسطہ ابو عثمان عن عمر بن الخطاب مذکور ہے۔ حالانکہ اصل روایت "ابو عثمان عن جبیر بن نفیر عن عقبہ بن عامر عن عمر" کے طریق سے ہے۔ گویا ترمذی میں بیک وقت دو واسطے (جبیر، عقبہ) گرے ہوئے ہیں۔ اسی طرح یہ روایت سنن نسائی میں بواسطہ ابو عثمان عن عقبہ بن عامر عن عمر مروی ہے اور

یہاں بھی "جبیر" کا واسطہ گرا ہوا ہے۔ جبکہ ابو عثمان نے یہ روایت جبیر سے سنی ہے نہ کہ عقبہ بن عامر سے جیسا کہ سنن ابو داؤد اور صحیح مسلم کی سند سے معلوم ہوتا ہے جس کی تائید حافظ ابن حجر کے اس قول سے بھی ہوتی ہے، فرماتے ہیں:

"ان ابن فتحو یبر قال ان ھذا ھو ابو عثمان الذی روی عن جبیر بن نفیر عن عقبۃ بن عامر عن عمر فی فضل الوضوء وحدیث کذالک عن مسلم وابی داؤد والترمذی والنسائی ولکن وقع عند الترمذی عن ابی عثمان عن عمر فسقط عندہ عن السند اثنان" (تہذیب ص ۹۳، ج ۴)

حافظ ابن حجر کے اس کلام سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ تک ترمذی کے نسخہ میں دو واسطے گرے ہوئے تھے جو تا حال اسی طرح ہے۔ وہاں اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ سنن نسائی کی سند میں "جبیر" کا واسطہ موجود ہے لیکن دیکھئے موجودہ مطبوعہ نسخوں میں یہ واسطہ بھی گرا ہوا ہے۔

اسناد و رجال میں تصحیف تو درکنار نقل متون اور نقل عبارت میں تصحیف اور پھر عبارت کا کہیں گر جانا اور کہیں سہواً زیادہ آجانا جو فی الواقعہ اس روایت کا حصہ نہیں ہوتی۔ ایسی مثالیں بھی ان متداول کتب میں مل جاتی ہے۔ مثلاً جامع ترمذی ہی کو لیجئے۔ اس کے باب "ماجاء فی الولیمۃ" (ص ۱۷۴، ج ۲، مع التحفۃ) میں امام ترمذی نے امام بخاری سے نقل کیا ہے:

"قال وکیع زیاد بن عبد اللہ مع شرفہ یکذب فی الحدیث"

ترمذی کے تمام مطبوعہ نسخوں میں یہ عبارت اسی طرح مذکور ہے، حالانکہ فی الواقع یہ عبارت یوں ہے:

"قال وکیع زیاد اشرف من ان یکذب فی الحدیث" (التاریخ الکبیر ص ۳۶۰، ج ۲، ق ۱، تہذیب ص ۳۷۷، ج ۳)

جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کتب احادیث میں ایسی غلطی کا سرزد ہو جانا خارج از امکان نہیں۔ مگر افسوس! مولانا صفدر صاحب ان ٹھوس حقائق کو یہاں تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں بلکہ اسے وہ "بداعتمادی کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ عرض خدمت ہے کہ جن ٹھوس حوالجات کا ہم نے ثبوت دیا ہے، ان کے پیش نظر کیا ترمذی اور نسائی پر اعتماد ختم کر دینا چاہیئے؛ یہ صرف انہی کتابوں سے خاص نہیں بلکہ ابو داؤد، ابن ماجہ، اور دوسری کتابوں میں بھی اس کی متعدد مثالیں ہمارے زیر نظر ہیں، تو کیا

ان تمام کتابوں پر "عدم اعتماد" کا اظہار کیا جائے ؟

محترم اگر آپ اس خانہ ساز خطرہ دا صول کو صحیح سمجھتے ہیں تو یہ آپ کو مبارک! الحمد للہ اہلحدیث حضرات کے اعتماد میں کوئی فرق نہیں آتا۔ انہوں نے اس قسم کے سہو و نسیان کی نشان دہی کی، اور کرتے رہیں گے۔ انہوں نے اس پر مستقل کتابیں لکھیں اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دکھایا۔ اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ یوں انکار حدیث کی کھلی چھٹی آپ دے رہے ہیں یا اہلحدیث؟

ہمیں بدنام کرنا مشغلہ ہے یار لوگوں کا
یونہی کچھ وقت گذرتا ہے ان بیکار لوگوں کا

حافظ ابن حجرؒ اور حدیث جابر

محدث مبارکپوری نے "تلخیص الحبیر" کے حوالہ سے حافظ ابن حجر کا کلام نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حضرت جابرؓ سے مروی ہے نیز اس کے اور بھی کئی طرق ہیں لیکن وہ تمام کے تمام ضعیف ہیں۔ جس کے جواب میں مولانا صفدر صاحب فرماتے ہیں:

"یہ روایت متعدد اسانید کے ساتھ حضرت جابرؓ سے مروی ہے۔ امام حاکم نے علوم حدیث میں اسے احادیثِ مشہورہ میں سے شمار کیا ہے۔ محض تعصبِ مذہبی میں آکر اس کا انکار کرنا کس قدر ناانصافی ہے" الخ (ص ۲۶۶، ج ۱)

لیکن یہاں بھی انہوں نے حسبِ سابق اپنی علم دشمنی کا ثبوت دیا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ امام حاکم نے اس حدیث کو احادیثِ مشہورہ میں شمار کیا ہے۔ لیکن کیا ہر مشہور حدیث صحیح ہوتی ہے؟ کیا فی الواقع یہ روایت صحیح ہے بلکہ امام حاکم بھی اسے صحیح تسلیم کرتے ہیں؟ ــــ یہ وہ امور ہیں جن کی تنقیح ضروری تھی، لیکن مولانا صاحب مصلحتاً خاموش ہیں۔

کیا ہر مشہور حدیث صحیح ہوتی ہے؟ حدیث کا طالبِ علم سمجھتا ہے کہ یہ کوئی کلی اصول نہیں، متعدد ایسی روایات ہیں جو کثرتِ طرق اور مشہور ہونے کے باوجود ضعیف ہیں۔ چنانچہ علامہ زیلعی فرماتے ہیں:

وکم من حدیث کثرت رواتہ وتعددت طرقہ وھو حدیث ضعیف کحدیث التطھیر ... بل قد لا یزید الحدیث کثرت الطرق الا ضعفاً " الخ (نصب الرایہ ص ۳۵۹، ج ۱)

دور نہ جائیے، امام حاکم نے انہی " احادیث مشہورہ " میں حدیث طلب العلم فریضۃ علی

کل مسلم، الجوارح کلاب اھل النار" اور حدیث الطہیر کو بھی شمار کیا ہے۔ امام ابن الصلاح نے اپنے "المقدمۃ" میں پہلی حدیث کو بطور مثال ذکر کیا ہے جو مشہور ہونے کے باوجود ضعیف ہے اور امام بیہقی فرماتے ہیں:

"ھذا احدیث متنہ مشہور واسنادہٗ ضعیف وقد روی من اوجہ کلھا ضعیفۃ" (مشکوٰۃ کتاب العلم)

یہی نہیں بلکہ خود امام حاکم نے اسے ضعیف کہا ہے چنانچہ مولانا عبداللہ مبارکپوری لکھتے ہیں:

"قال احمد لا یثبت فی ھذا الباب شیٔ وکذا قال ابن راھویہ وابوعلی النیسابوری والحاکم و مثل بہ ابن الصلاح المشہور الذی لیس بصحیح" (مرعاۃ المفاتیح ص ۱۹۲، ج ۱)

یعنی امام احمد فرماتے ہیں کہ اس باب میں کوئی روایت ثابت نہیں اور اسی طرح ابن راہویہ، ابوعلی النیسابوری اور حاکم نے اس پر کلام کیا ہے۔ اور ابن الصلاح نے اسے بطور مثال پیش کیا ہے جو صحیح ہیں۔ علامہ ابن الجوزی نے "العلل المتناہیہ" میں اس پر مفصل کلام کیا ہے اور اسکے تمام طرق کو ضعیف ثابت کیا ہے۔ اسی طرح دوسری روایت کے تمام طرق بھی ضعیف ہیں۔

حافظ ابن جوزی نے العلل میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور حدیث الطہیر تو اس کے ضعف کی طرف حافظ ذہبی نے بھی اشارہ کیا ہے، جیسا کہ ابھی ہم نقل کر آئے ہیں۔

علامہ محمد طاہر پٹنی فرماتے ہیں:

"لہ طرق کلھا ضعیفۃ" (تذکرۃ الموضوعات، ص ۹۶)

علامہ ابن الجوزی نے "العلل المتناہیہ" میں اس کی اسانید کے استیعاب کی کوشش کی ہے اور ہر ایک پر نقد و جرح کی ہے، بالآخر لکھتے ہیں:

"قال ابن طاھر حدیث الطہیر موضوع انما یجیٔ من سقاط اھل الکوفۃ من المشاھیر والمجاھیل" (العلل ص ۱۴۲ من نسختی)

اس مختصر وضاحت سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ ایک حدیث مشہور ہونے کے باوجود ضعیف ہوتی ہے اور نہ ہی امام حاکم کی یہ مراد ہے کہ یہ تمام احادیث صحیح ہیں۔ بنا بریں اگر امام حاکم نے حدیث "من کان لہ امام" کو مشہور کہا ہے تو یہ اس کی صحت کو مستلزم نہیں جبکہ محدثین نے اس کے ضعف کی صراحت کی ہے بلکہ خود امام حاکم نے اسے ضعیف کہا ہے چنانچہ امام بیہقی معرفت السنن والآثار

ہیں فرماتے ہیں:

"اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ قال سمعت سلمۃ بن محمد یقول سألت ابا موسیٰ الرازی عن الحدیث المروی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ فقال لم یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیہ شیء انما اعتمد مشائخنا علی الروایات عن علی وابن مسعود وغیرھما من الصحابۃ قال ابو عبد اللہ اعجبنی ھذا لما سمعتہ فان ابا موسیٰ احفظ من رأینا من اصحاب الرای علی ادیم الارض" (التعلیق المغنی ص ۳۲۶، ج ۱)

امام ابو عبد اللہ الحاکم نے ہمیں تبلایا کہ میں نے سلمۃ بن محمد سے سنا فرماتے ہیں، میں نے ابو موسیٰ رازی سے حدیث "من کان لہ امام" الخ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے کوئی چیز ثابت نہیں۔ ہمارے مشائخ نے حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور دیگر صحابہ رضی کے اقوال پر اعتماد کیا ہے۔ امام ابو عبد اللہ الحاکم نے کہا کہ مجھے یہ بات بڑی پسند آئی کیونکہ ابو موسیٰ اہل الرائے ہیں، ہمارے نزدیک بڑے حافظ اور فاضل ہوئے ہیں۔

امام حاکم کے علاوہ حافظ ابن جوزی کی رائے بھی پڑھ لیجیے فرماتے ہیں:

"ولھذا الحدیث طرق عن جابر وعن علی وابن عمر وابن عباس وعمران بن حصین لیس منہا ما یثبت قد ذکرتہا فی کتاب التحقیق" (العلل المتناھیۃ)

یعنی یہ روایت حضرت جابرؓ، علیؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ اور عمرانؓ بن حصین سے متعدد طرق سے مروی ہے لیکن ان میں کوئی بھی بسند صحیح ثابت نہیں جس کا ذکر ہم نے اپنی کتاب "التحقیق" میں کیا ہے۔ ان کے علاوہ امام بخاری، ابن عدی، ابو حاتم، بیہقی، ابن حزم، خطیب بغدادی، مجد ابن تیمیہ، نووی، ابن قیم، القرطبی، ابن کثیر، المناوی، ابن حجر، العلقمی ایسے محدثین اور اکابرین امت نے اس کے بسند صحیح مرفوع ہونے کا انکار کیا ہے۔ تنہا حافظ ابن حجر ہی نہیں کہ انہوں نے اس کو ضعیف کہا ہو۔ اور پھر تعجب یہ ہے کہ ان کے کلام کی غلط ترجمانی کرتے ہوئے الٹا انہیں مورد الزام ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں، مولانا کے الفاظ ہیں:

"گویا حافظ صاحب موصوف نے ایک لطیف حیلہ کرتے ہوئے گول مول حکم صادر کر کے حضرت جابرؓ کی روایت سے گلو خلاصی کرنے کی کوشش فرمائی ہے" الخ (ص ۲۶۷)

ہم سمجھتے ہیں کہ یہاں بھی مولانا صفدر صاحب کی سمجھ کی ہیرا پھیری ہے۔ حافظ مرحوم نے کوئی حیلہ اختیار نہیں کیا۔ وہ من حیث المجموع اس روایت کو ضعیف قرار دیتے چنانچہ فتح الباری میں فرماتے ہیں:

"لکنہ حدیث ضعیف عند الحفاظ"

یہاں حدیث کی طرف ضمیر لوٹتی ہے اور کسی صحابی کا ذکر بھی نہیں۔ اسی طرح مولانا کاشمیری فرماتے ہیں کہ حافظ البوصیری فرماتے ہیں کہ جب میں نے حافظ الدنیا ابن حجر پر یہ روایت قرأت کی، ابھی میں اسکے متن تک نہیں پہنچا تھا کہ انہوں نے فرمایا:

"ان الحافظ لم یرض بالحدیث"　　　(العرف الشذی ص۱۵۵)

کہ حافظ نے اس پر اعتماد نہیں کیا۔ علامہ کاشمیری کا یہ کلام بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ حافظ ابن حجر کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے اور جو توجیہ مولانا صفدر صاحب نے نقل کی ہے، قطعاً غلط اور مردود ہے۔ مولانا صاحب خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ "اس روایت کی ہمیں ۱۳ سندیں معلوم ہیں" حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس کی تمام اسانید چالیس سے بھی زیادہ ہیں۔ اس روایت کی حیثیت پر حضرت مولانا بدیع الدین شاہ صاحب پیر آف جھنڈا مدظلہ العالی نے ایک مستقل رسالہ بنام "اظہار البراءۃ عن حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ" لکھا ہے اور اس کے تمام طرق پر سیر حاصل بحث کی ہے جو بڑے سائز کے سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے یہ رسالہ بہترین فنی، تحقیقی، اور الزامی جوابات کا مرقع ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ روایت اولاً صحیح نہیں ثانیاً اس سے استدلال لوجوہ صحیح نہیں۔ ہمارا یہ تبصرہ چونکہ مکمل کتاب پر نہیں بلکہ محض بعض مباحث میں مولانا کے انداز فکر کی نشان دہی اور تحقیق کے پردہ میں جو گل انہوں نے کھلائے ہیں، ان کی وضاحت ہے جیسا کہ ہم ابتدا میں ذکر کر آئے ہیں۔ اگر کبھی تفصیل و استیعاب کا موقع ملا تو ہم اس سلسلہ میں، جن روایتوں کو انہوں نے صحیح سمجھا ہے اور ضمنی مباحث میں جو تساہل ان سے واقع ہوا ہے، اس سے پردہ اٹھائیں گے۔ انشاء اللہ!

چھٹی حدیث:

مولانا صفدر صاحب نے اپنے دعویٰ پر چھٹی حدیث یہ نقل کی ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

"کانوا یقرؤون خلف النبی فقال خلطتم علی القرآن"

اس سے معلوم ہوا کہ آپ نے اپنے پیچھے قرأت کرنے والوں کی قرأت کو گوارا نہ فرمایا اور مخصوص لہجہ میں ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے تنبیہ فرمائی۔ نیز یہ روایت صحیح ہے جب کہ علامہ الہیثمی لکھتے ہیں کہ مسند احمد کی روایت کے جملہ راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں، اور علامہ ماردینی لکھتے ہیں: "ھٰذا اسناد جید" (ملخصاً صفحہ ۲۳۵، ج ا)

لیکن اس روایت سے استدلال بہ چند وجوہ صحیح نہیں۔

ا۔ یہ روایت بواسطہ "یونس بن ابی اسحاق عن ابیہ عن ابی الاحوص" ہے۔ ابواسحاق گو ثقہ ہیں لیکن مدلس ہیں اور ان کا عنعنہ صحت حدیث کے منافی ہے۔ مگر مولانا صاحب ابو اسحاق کا عنعنہ صحت حدیث کے منافی نہیں سمجھتے۔ جس پر استدلال وہی خانہ ساز "محدثین کا ضابطہ" ہے۔ جسکی حقیقت ہم ابوالزبیر کی تدلیس کے ضمن میں بیان کر آئے ہیں کہ یہ محدثین کا قطعاً ضابطہ نہیں، بلکہ حافظ ابن حزم کی یہ منفرد رائے ہے جس کی خود انہوں نے پابندی نہیں کی۔

رہی یہ بات کہ "مگر بخاری میں ان کی معنعن حدیثوں کا کوئی جواب نہیں دیا" (ص ۲۴۸) تو دراصل مولانا سے سہو ہوا یا جلد بازی سے کام لے رہے ہیں۔ جبکہ صحیحین میں مدلسین کی معنعن روایتوں کا جواب خود انہوں نے صفحہ ۲۰۰، ۲۰۱، ج ا میں دیا ہے کہ ان میں مدلسین کا عنعنہ سماع پر محمول ہوتا ہے لیکن سے

انہیں عادت ہے بھول جانے کی

ابو اسحاق مدلس ہیں اور ائمۂ فن کے نزدیک ان کی تدلیس کا کیا حکم ہے؟ ... اب ذرا اس کی تفصیل بھی ملاحظہ فرمائیں:

علامہ ذہبی اور ان کے تلمیذ رشید حافظ ابومحمود المقدسی نے اپنے ارجوزہ جس میں انہوں نے مدلسین کو جمع کیا ہے، میں اسے ذکر کیا ہے۔ علامہ الحلبی "التبیین لاسماء المدلسین" میں فرماتے ہیں:

"عمرو بن عبد اللہ ابو اسحاق السبیعی تابعی کبیر مشہور بہ"

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

"مشہور بالتدلیس وھو تابعی ثقۃ وصفہ النسائی وغیرہ بذالک" (طبقات المدلسین ص۱۵)

یعنی ابو اسحاق مشہور مدلس اور ثقہ تابعی ہیں۔ امام نسائی وغیرہ نے اسے مدلس کہا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے فتح الباری میں ص ۲۰۷، ۲۷۸ (ج ا) پر بھی اس کے مدلس ہونے کی صراحت

کی ہے۔ امام ابن حبان، امام حسین الکرابیسی، امام ابوجعفر الطبری اور امام شعبہ وغیرہ نے بھی اسے مدلس کہا ہے بلکہ امام ابن المدینی نے العلل میں نقل کیا ہے کہ وہ مجالد بن سعید ایسے ضعیف راوی سے تدلیس کیا کرتے تھے (تہذیب، ص ۶۶، ج ۸)

اور معن بن عیسیٰ فرماتے ہیں کہ:

"افسد حدیث اہل الکوفۃ الاعمش وابو اسحاق یعنی للتدلیس" (تہذیب ص ۶۴، ج ۸)

کہ ابو اسحاق اور اعمش کی تدلیس نے اہل کوفہ کی حدیث کو خراب کر دیا ہے۔ امام بیہقی نے "السنن الکبریٰ" ص ۲۰۲ ج ۱ اور ص ۱۳۷، ج ۶ میں بھی اس کے مدلس ہونے کی تصریح کی ہے۔ علامہ الماردینی ایک بحث کے دوران فرماتے ہیں:

"ان ابا اسحاق قال فیہ حدثنی عبد الرحمٰن فزال بذالک تھمۃ تدلیسہ" (الجوہر النقی، صفحہ ۱۰۹، ج ۱)

یعنی ابو اسحاق نے عبد الرحمان سے تحدیثا روایت کی ہے جس سے اس کی تدلیس کا شبہ مرتفع ہو جاتا ہے۔

مولانا احمد علی سہارنپوری صحیح بخاری ص ۲۷ ج ۱ میں باب "لا یستنجی بروث" کے آخر میں بین السطور علامہ عینی سے نقل فرماتے ہیں:

"اراد البخاری بھذا الرد علی من زعم ان ابا اسحاق دلس ھذا الخبر فانہ صرح فیہ بالتحدیث"

علامہ سندی حاشیہ ابن ماجہ میں فرماتے ہیں:

"ان ابا اسحاق اختلط باخرہ وکان مدلسا" (بحوالہ تحقیق الکلام صلا، ج ۲)

ہماری ان گذارشات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام شعبہ، ابن حبان، ابن مدینی، الکرابیسی الطبری، نسائی، معن بن عیسیٰ، البیہقی، ماردینی، ذہبی، ابن حجر، ابو محمود المقدسی، الحلبی، علامہ عینی بلکہ امام بخاری رحمہم اللہ ابو اسحاق کو مدلس قرار دیتے ہیں اور اس کی تدلیس کے دفاع کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ علامہ سیوطی نے بھی اپنے رسالہ "اسماء من عرف بالتدلیس" میں ابو اسحاق کو ذکر کیا ہے، جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ابو اسحاق کے عنعنہ کی کیا حیثیت ہے۔ اسی ضمن میں مولانا صفدر صاحب سے بھی التماس ہے کہ جب وہ "محدثین کا ضابطہ" نقل کرتے ہیں تو براہ کرم ذرا ہمت فرما کر ان کی

فہرست بتائیں تاکہ ناظرین بآسانی فیصلہ کرسکیں کہ انہوں نے "محدثین کا ضابطہ" بتلانے میں کس قدر بے ضابطگی کا ثبوت دیا ہے۔

لہٰذا جب یہ ثابت ہوا کہ ابواسحاق مدلس ہیں اور اس کا عنعنہ صحت حدیث کے منافی ہے تو اس روایت کو صحیح کہنا غلط ہے۔ علامہ ہیثمی اور علامہ ماردینی وغیرہ کا اس کی سند کو جید کہنا یا اس کے راویوں کو صحیح بخاری کے راوی قرار دینا قطعاً اس بات کو مستلزم نہیں کہ یہ روایت صحیح ہے جبکہ صحت حدیث کے لئے سند کا صحیح یا جید ہونا ہی کافی نہیں بلکہ دیگر علل سے مبرا ہونا بھی ضروری ہے جیسا کہ قبل ازیں ہم وضاحت کر آئے ہیں اور بالخصوص جبکہ علامہ ماردینی خود ابواسحٰق کے عنعنہ سے متفکر ہیں۔

۲۔ اس روایت سے استدلال اس لئے بھی صحیح نہیں کہ "غلط ملط" ہمیشہ بلند آواز سے پڑھنے سے واقعہ ہوتا ہے نہ کہ آہستہ پڑھنے سے۔ بصورتِ دیگر ثنا وغیرہ پڑھنا بھی ممنوع قرار دینا پڑے گا حالانکہ علمائے احناف بالاتفاق اس کے پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں اور مولانا صفدر صاحب "غبای آلاء ... الآیۃ" پر "لا بشیء من نعمتک ربنا نکذب فلک الحمد" پڑھنے کی بھی اجازت دیتے ہیں (احسن الکلام ج ۱ ص ۸۶) جب یہ کلمات غلط ملط کا باعث نہیں جبکہ یہ ساری سورت میں بار بار پڑھے جائیں گے تو آہستہ قرأت اختلاط کا باعث کیسے ہو سکتی ہے، بالخصوص جب کہ یہ کلمات قرأت سے مختلف ہیں۔ اس کی تائید اسی روایت کے ان بعض طرق سے بھی ہو جاتی ہے جس کے الفاظ ہیں:

"کانوا یقرأون القرآن فیجهرون به" (جزء القراءۃ ص ۲۸، کتاب القراءۃ ص ۱۱۶، دار قطنی ص ۳۲۷ ج ۱)

اسی روایت کی بنا پر امام بیہقیؒ وغیرہ نے فرمایا کہ صحابہ کرامؓ جہراً قرأت پڑھا کرتے تھے جس سے آپؐ نے منع فرما دیا، ان کے الفاظ ہیں:

"هذا اليقاً في جهرهم بالقراءة خلفه" (کتاب القراءت ص ۱۱۶)

امام بیہقیؒ کا یہ قول اصولِ محدثین کے بالکل مطابق ہے جبکہ یہ جملہ مشہور ہے کہ "الحدیث یفسر بعضہ بعضاً" لیکن مولانا صفدر صاحب اپنے ضعیف موقف کی بنا پر اسے محض الفاظ کے گورکھ دھندے میں الجھانا چاہتے ہیں۔ بات بالکل واضح ہے کہ اگر اس حدیث کے دوسرے الفاظ معتبر، قابلِ استدلال اور ان کی سند بالکل صحیح ہے تو آخر ان الفاظ کو نظرانداز کرنے کی کونسی معقول دلیل ہے؟ حافظ ابن عبدالبر جو امام بیہقیؒ کے معاصر اور حافظِ مغرب کے لقب سے مشہور ہیں۔ اسی روایت پر بحث کرتے ہوئے

تمہید میں فرماتے ہیں :

" واحتج ایضاً من الذھب مذھب الکوفیین فی ھذا الباب بحدیث عبد اللہ قال کانوا۔ یقرأون خلف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال: خلطتم علیّ القرآن ، قال ابو عمر ھذا یحتمل ان یکون فی صلوٰۃ الجھر وھو الظاھر لانھم لا یخلطون الا برفع اصواتھم فلا حجۃ فیہ للکوفیین ، (بحوالہ تحقیق ص ۱۳۲ ، ج ۲)

یعنی جن لوگوں نے قرأت خلف الامام کے بارے اہل کوفہ کا مسلک اختیار کیا ہے ، انہوں نے عبد اللہ بن مسعود رضؓ کی اس حدیث سے کہ " لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرتے تھے پس آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھ پر قرآن کو خلط ملط کر دیا ہے " استدلال کیا ہے ۔ ابو عمر (حافظ ابن عبد البر کی کنیت ہے) کہتے ہیں کہ اس حدیث میں احتمال ہے کہ یہ واقعہ نماز جہری کا ہو اور یہی ظاہر بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کی تھی وہ لوگ قرآن کو خلط ملط اسی صورت میں کر سکتے تھے جب وہ بلند آواز سے پڑھ رہے ہوں ۔ پس اس حدیث سے کوفیوں کا استدلال صحیح نہیں "

حافظ ابن عبد البر کے اس مؤقف سے بھی ہماری تائید ہوتی ہے بالخصوص جبکہ حدیث کے الفاظ اسی بات کے مقتضی ہیں ۔ لیکن مولانا صفدر صاحب اس سے متفق نہیں چنانچہ فرماتے ہیں :

" اس روایت میں قرأت کو جہر پر یا قرأت کو ما زاد علی الفاتحہ پر محمول کرنا بالکل غلط ہے ، ایسی لایعنی تفصیلات کون سنتا ہے ! " (ص ۳۲۵)

دراصل مولانا صاحب کو غلط فہمی ہوئی ۔ قرأ کو جہر پر محمول ہی نہیں کیا گیا بلکہ " یجھرون " کے الفاظ کی صراحت اسی روایت میں موجود ہے ۔ اسے نظر انداز کرنا کیا معقول بات ہے ! ہم سمجھتے ہیں کہ امام بیہقیؒ وغیرہ کی اس گرفت سے مولانا صاحب کے حواس باختہ ہیں جبکہ ہمارے نزدیک بدحواسی یہ ہے کہ فریق ثانی کے مؤاخذات کا مدلل جواب نہ بن پڑے تو بدزبانی کر کے یا " لایعنی " و " فضول " بات کہہ کر ٹال دیا جائے ۔ آخر یہ " لایعنی " کیوں ہے ؟ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے مولانا صاحب فرماتے ہیں :

" یجھرون " کے الفاظ سنداً و معناً محل نظر ہیں جبکہ مؤلف خیر الکلام کے اصول سے یہ صحیح نہیں ۔ وہ لکھتے ہیں کہ " اس کی سند میں ابو اسحاق سبیعی ہیں ۔ حافظ ابن حجرؒ نے

ان کو تیسرے طبقہ کے مدلسین میں شمار کیا ہے۔ علاوہ ازیں امام احمد فرماتے ہیں کہ یونس کی اپنے والد سے روایت ضعیف ہے۔" (تہذیب ص۴۳۴ ج۱۱)

اور مؤلف خیر الکلام نے لکھا ہے کہ:

"بعض اہل علم نے ابو اسحاق کو ان کے اختلاط کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا متروک کی روایت کا کیا اعتبار۔" (ملخصاً ص۲۳۶)

ناظرین کرام غور فرمائیں، یہاں مولانا صاحب نے "فیجھرون" کے الفاظ کو غلط ثابت کرنے کے لئے تین باتیں کہی ہیں:

۱۔ سنداً و معناً یہ محل نظر ہے لیکن یہ محل نظر کیوں اور کیسے ہے، اس کی کوئی وجہ وہ بیان نہیں کر سکے۔ اس کا جو نام رکھیں، آپ کو اختیار ہے۔

ع ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

۲۔ مؤلف خیر الکلام کے اصول کے مطابق صحیح نہیں جبکہ اس میں ابو اسحاق مختلط و مدلس ہے۔ لیکن یہی ابو اسحاق مذکورۃ الصدر روایت میں بھی ہے۔ وہاں اس کی تدلیس و اختلاط کیوں مانع نہیں؟ آخر اس تفریق کا سبب کیا ہے؟ اور کیا الزامی جواب پر اکتفا، جس کے مقدمات خود اپنے ہاں مسلم نہ ہوں، معقول بات ہے؟

۳۔ البتہ ان کا یہ فرمانا کہ "علاوہ ازیں یونس کی اپنے والد سے روایت ضعیف ہے" شاید یہ جواب الزامی نہیں، تحقیقی ہے۔ جیسا کہ بظاہر عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ جرح انکے نزدیک واقعی حقیقت پر مبنی ہے تو مذکورہ روایت نمبر۲ کو بھی یونس اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ایک راوی مخالف کے استدلال میں تو ضعیف ہو، لیکن جب اپنی باری آئے تو وہ ثقہ اور حسن الحدیث بن جائے۔ مذہبی حمیت اور تعصب کی اس سے بڑھ کر دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟

لیکن حیرت ہے کہ اس کے باوجود دوسروں کو پابندی اصول کی تلقین کرتے ہیں۔ حالانکہ محدث گوندلوی مدظلہ العالی کے جواب کا دارومدار صرف "یجھرون" کے الفاظ سے نہیں بلکہ اسے وہ بطور الزام پیش کرتے ہیں جیسا کہ ہم وضاحت کر چکے ہیں اور ان کا استدلال "خلطتم علی القرآن" کے الفاظ صحیح ہیں اور ان میں کوئی علت مؤلف احسن الکلام کے نزدیک نہیں تو فیجھرون کے

الفاظ کو بھی صحیح تسلیم کرنا پڑے گا۔ بصورتِ دیگر جب یہ روایت صحیح نہیں تو اس سے استدلال کیونکر درست ہے؟

بقیہ "دوامِ حدیث" ص۱۵ سے آگے:

. . . جو عبارت انکارِ حدیث میں نقل کی ہے بالکل بے معنی ہے کہ اس عبارت میں انکارِ حدیث کا ذکر نہیں بلکہ ان احادیث کے متعلق بحث ہے جو اختلافی مسائل میں وارد ہیں جن کو خبرِ خاصہ کہا گیا ہے مگر مقامِ حدیث والے نے یہ سمجھا کہ شاید یہ لوگ بالکل حدیث کے منکر ہیں یا ایک دو حدیثوں کے قائل ہیں، یہ ان کی جہالت ہے۔